قاری سعید الرحمان *

مولانا محمد صابرؒ ایک عظیم شخصیت

فما کان قیس ھلکه واحد ولکنه بنیان قوم تھدما

دوسرے شاعر کا قول ہے:

موت التقی حیاة لا إنقطاع ۔ کما مات قوم وھم فی الناس احیاء

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

یذھب الصالحون الاول فالاول ویبقیٰ حفالة کحفالة الشعیر والتمر لایبالیھم الله بالة ''نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔''

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

ان الله تعالیٰ لایقبض العلم انتزاعاً فیتزعه من قلوب العباد ولکن یقبضه بقبض العلماء حتی اذا لم یلبق عالماً اتخذالناس رؤساً جھالاً فسئلوا افافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔

''بیشک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے۔ اس سے سوالات ہوں گے وہ بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ علم صحیح اور عمل صالح' یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں۔ اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے۔ جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں ان کے

---

* مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر و جامعہ رحمانیہ بہبودی ضلع اٹک۔

بتدریج اٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اٹھتی جارہی ہیں۔ اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے۔ جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسل کمزور ہوتی جارہی ہے۔ اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن روبہ زوال ہے۔ آج کل عام طور پر انسان انسان نہیں' انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں جو حیات مستعار کا بار کندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کر رہی ہیں۔

اجل مسمی (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دسترخوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے اور اب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاقی جوہر کے امین ہوں' جن کے سیرت و کردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد صابر صاحبؒ قافلۂ ہستی کے ان شخصیتوں میں سے تھے جو مینارہ نور تھے۔ ان کے وجود مسعود سے علم و دانش' زہد و تقویٰ اور یقین و معرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کا شمار ان جامع الکمالات ہستیوں میں تھا جو نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل و متین مدبر و منتظم تھے' علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی اور للّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت علاقائی و مقامی نہیں بلکہ علمی خدمات کے اعتبار سے ملکی بلکہ بین الاقوامی حیثیت کے مالک تھے۔ کہ آپ کا فیض دنیا کے دور دراز ملکوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگرد تھے۔ ساری زندگی تعلیم و تدریس خطابت و موعظمت و تبلیغ میں گزاری زیادہ وقت تدریس میں گزرا۔ اور اسی کو اپنی زندگی کا مشن بنائے رکھا۔ ہمارا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ دینی کاموں میں سب سے مشکل کام تعلیم و تدریس ہے کہ یہ تفقہ فی العلم اور تفقہ فی الدین سے حاصل ہوتا ہے اور حدیث کے ارشاد کے مطابق الافلیبلغ الشاھد الغائب

دین کی امانت مستقبل کی نسل تک طلبہ کے ذریعہ پہونچانے کا ایک موثر اور بہترین ذریعہ ہے سب متداول علوم میں آپکو عجیب ملکہ حاصل تھا۔ حدیث' تفسیر' فقہ' اصول فقہ' منطق' صرف و نحو سب علوم میں یکتا تھے۔ آپ علوم نقلیہ و عقلیہ کے صاحب بصیرت فاضل' عصر حاضر کے ذکی ترین عالم' نکتہ شناس اور دقیقہ رس تھے۔ مسائل دقیقہ کی سہل تعبیر پر قادر ترین فاضل تھے۔ اس دور میں ایسے جید معلم و مدرس کا ملنا مشکل ہے۔ دور دراز سے طلبہ آپ سے اور آپ کے رفیق خاص حضرت مولانا عبدالسلام صاحب سے فیض حاصل کرنے آتے۔ اللہ تعالیٰ جن سے دین کی خدمت لیتے ہیں۔ ان کو اس مقام پر فائز کرنے کے لئے ہر قسم کی برکتیں عطا فرماتے ہیں اور ماحول بھی سازگار بناتے ہیں۔ اخلاص اور للّٰہیت سے جو کام شروع کیا جائے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصرت اور مدد شامل ہوتی ہے۔ شخصیات کے بننے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ طویل محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا محمد صابرؒ کی شخصیت ایک ہمہ جہتی تھی' دینی معاملات میں ہر پہلو پر آپ کی نظر رہتی۔ تعلیم و تدریس تو

ان کا مشغلہ تھا ہی' جمعہ کے خطبات کے ذریعہ بھی عوام کی تربیت اپنا دینی فریضہ سمجھتے۔تقریباً ۳۵ سال تک جامع مسجد ۲۲ ایریا واہ فیکٹری میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے۔جس کو سننے کے لئے لوگ دور دراز سے آتے۔آپ کا بیان موجودہ دور کے عام خطاب یعنی لفاظیوں کی بجائے علمی بیان ہوتا۔جس میں حالات حاضرہ پر تبصرہ کے علاوہ فرق باطلہ کی تردید اور علماء دیوبند کے مسلک حق کا آئینہ دار ہوتا۔

آپ کی زندگی ایک مسلسل جدوجہد سے عبارت تھی' سارا ہفتہ اپنے مدرسہ میں تدریس میں گزرتا۔جمعرات کو اپنے گاؤں گڑھی افغانان جاتے' وہاں بھی درس' مدرسہ البنات کی سرپرستی اور علاقہ میں کسی جگہ دینی تقریب میں شرکت اور بیان ہوتا جمعہ کا دن واہ فیکٹری کے لئے وقف تھا۔جہاں جمعہ کا خطاب اور مختلف مساجد و مقامات میں بیانات ہوتے۔واہ فیکٹری جیسے حساس علاقہ میں ابتداء سے اہل بدعت کی گرفت مضبوط تھی۔اس میں زیادہ تر دخل ان افسران بالا کا تھا جو نظریاتی طور پر اہل بدعت سے وابستہ تھے اور اس وابستگی کے اظہار کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال کرتے رہے ہیں۔اہل حق کے لئے ہر وقت انہوں نے رکاوٹیں کھڑی کیں۔بعض حالات میں تو سپریم کورٹ تک جانا پڑا۔جہاں سے انصاف ملنے پر سکھ کا سانس لیا۔مولانا مرحوم اور آپ کے رفیق خاص حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کی مساعی جمیلہ سے اب ماشاء اللہ اہل حق کے کافی ادارے کام کر رہے ہیں اور دن بدن ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اشاعت القرآن

آپ کی محنتوں کا ثمرہ اور جدوجہد کا نتیجہ اور اخلاص کا مظہر ملک کا مشہور آپ کا ادارہ جامعہ اشاعت القرآن حضرو (اٹک) ہے۔فراغت کے بعد ان تین علماء مولانا محمد صابر صاحبؒ مولانا عبدالسلام صاحب' مولانا محمد امتیاز صاحب نے قصور کے مدرسہ ۱۹۶۳ء ایک سال تدریس کی' کچھ عرصہ دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں تدریس کی۔اس کے بعد شیخ القرآن' مولانا غلام اللہ خان صاحب کے گاؤں ''دریا'' میں تقریباً سات سال تک پڑھاتے رہے۔

۱۹۷۱ء میں آپ نے حضرو میں تدریسی کام شروع کرنے کے لئے ''جامعہ اشاعۃ القرآن'' کے نام سے ادارہ قائم کیا۔شروع شروع میں درجہ موقوف علیہ تک تعلیم ہوتی رہی۔اللہ تعالیٰ نے ان تینوں ساتھیوں کو بڑی جامعیت اور قابلیت عطا فرمائی تھی۔منقولات و معقولات سب علوم میں یہ جامع تھے۔

''حضرو'' علاقہ چھچھ کا مرکزی مقام ہے۔چھچھ قدیم زمانہ سے اہل علم کا مرکز رہا ہے۔یہاں کی علمی شخصیات میں شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتی' شیخ المحدثین خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ' مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری' شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان صاحبؒ (تاجک) شیخ الحدیث مولانا عبدالقدیر صاحبؒ حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ (حیدر) حضرت العلامہ مولانا عبدالدیان صاحبؒ (دامان) حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ (ویسہ) حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ (بہبودی) مولانا سکندر

خان صاحبؒ مولانا حافظ محمد زمرد خان صاحبؒ مولانا غلام ربانی صاحب (بہبودی) مولانا فضل الرحمٰن صاحب (بہبودی) جیسے حضرات کے اسماء گرامی معروف ہیں۔ان بڑے اکابر کے دور میں علاقہ کے طلبہ پاک و ہند کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے۔

ایک دور یہاں ایسا آیا کہ علماء کی اولاد خصوصاً اور دوسرے دیندار گھرانوں کے نوجوان نے عموماً حصول روزگار خلیجی عرب ممالک' برطانیہ' امریکہ' ملائشیا اور ہانگ کانگ کا رخ کرنا شروع کر دیا۔خطرہ تھا کہ شاید یہ علاقہ جس کو علمی اعتبار سے سمرقند بخارا کہا جاتا اور یہاں کے علماء پاک و ہند کے اکثر مدارس میں تدریس و تعلیم کے فرائض انجام دیتے' بالکل علم سے خالی ہوتا جارہا تھا۔پرانے زمانے کے درس و تدریس کے مراکز کبار علماء کے وفات سے خالی ہو چکے تھے۔کوئی ایسا مرکزی ادارہ نہ تھا جو تشنگان علوم کو سیراب کرتا اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث مولانا محمد صابر صاحبؒ اور ان کے رفیق کار مولانا عبدالسلام دامت برکاتہم کو ایک معیاری مدرسہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔دیکھتے دیکھتے قرب و جوار ہی نہیں دور دراز علاقوں بلوچستان' آزاد کشمیر' صوبہ سرحد بلکہ بیرون ملک سے بھی طلبہ آنا شروع ہو گئے۔یہ مولانا مرحومؒ کی عنداللہ مقبولیت تھی کہ ''جامعہ اشاعت القرآن'' کو ایک مرکزی ادارہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔علاقہ چھچھ میں تو اس کی حیثیت ''ام المدارس'' کی ہے۔ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

مولانا مرحوم ہمیشہ اکابر علماء دیوبند کے مسلک اعتدال سے وابستہ رہے۔یہ حضرت مولانا رسول خانؒ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ مولانا عبدالقدیر خان صاحبؒ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے تلمذ کی برکات تھیں۔مولانا مرحوم اپنے احباب و تلامذہ کو بھی اسی راہ پر گامزن رہنے کی تلقین فرماتے۔

جماعت تبلیغ سے بھی لگاؤ رہا۔جب تک صحت رہی' رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں اہتمام سے شرکت فرماتے۔عموماً اس سفر میں راقم الحروف کے علاوہ مولانا عبدالسلام صاحب' مولانا محمد امتیاز صاحب' حافظ محمد زمرد خان خانؒ ساتھ ہوتے۔یہ سفر ہر اعتبار سے صرف دلچسپ ہی نہیں بلکہ علمی ہوتا اور مولانا مرحوم کے فیوض سے سب رفقاء مستفید ہوتے۔آپ ہمیشہ تشدد سے دور تھے۔مومن کے بارے میں جس حکمت و فراست کا ذکر حدیث میں آیا۔مرحوم اس کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔آپ نے جن جن اکابر سے فیض حاصل کیا تھا ان کے مجموعہ علوم اور شان تربیت کو اپنی ذات میں سمویا ہوا تھا۔اپنے اساتذہ کے علاوہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحبؒ کی خدمات عموماً تذکرہ فرماتے۔اپنے استاذ مولانا محمد رسول خان صاحبؒ کی شان علم کے بڑے معترف تھے' ترمذی شریف مرحوم نے مولاناؒ سے پڑھی تھی۔فرماتے ہیں کہ حضرت الاستاذ مختصر اور چھوٹے جملوں سے بڑے بڑے مسائل حل فرماتے۔اپنے ہاتھوں سے حضرتؒ کی املائی تقریر ترمذی آخری وقت

تک زیر مطالعہ رہتی۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے تبحر علمی کا بہت تذکرہ فرماتے اور ان کے مزاج کی والہانہ وارفتگی کا بہت ذکر فرماتے۔ اس ضمن میں فرماتے حضرت کاندھلوی موجودہ دور کے تکلفات اور پر تصنع زندگی سے کوسوں دور تھے۔ علماء میں جو تجدد پیدا ہو چکا تھا۔ اکثر اس پر تنقید فرماتے۔

راقم الحروف نے جب والد صاحبؒ حضرت مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ کی تقریر ترمذی ''معارف ترمذی'' کے نام سے شائع کی۔ تو سب سے پہلے اس کا ایک نسخہ مولانا مرحوم کی خدمت میں پیش کیا۔

مرحوم نے دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا۔ کہ معارف ترمذی اختصار، فقہی حوالہ جات اور سہل فہمی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے، مرحوم کو مدارس کے قیام سے خاص لگاؤ تھا۔ آپ کا جن تلامذہ نے علاقہ چھچھ میں مدارس قائم کئے ان کی بھرپور سرپرستی فرماتے، عام طور پر ارباب مدارس اور مہتممین حضرات اپنے ایسے ذیلی اداروں سے اچھا تعلق نہیں رکھتے جس سے بظاہر اپنے مدرسہ سے مالی تعاون میں کمی کا احساس ہوتا۔ مگر مرحوم ایسے فراخدل تھے کہ خود اصحاب ثروت کو ان سے تعاون کا فرماتے۔ کچھ ایسے مدارس تھے جو مرحوم نے خود قائم کئے تھے۔ اور ان کے اخراجات کا انتظام فرماتے۔ جن میں مدرسہ تحفیظ القرآن ابراہیم آباد رملھو جامعہ فاروقیہ واہ فیکٹری مدرسہ فاروق اعظم ٹیکسلا، جامعۃ البنات گڑھی افغانان شامل ہیں۔ جامعہ صدیقیہ واہ فیکٹری تو ماشاء اللہ ایک بڑا دینی ادارہ ہے جس کا قیام مرحوم کی مساعی سے ہوا، مسجد علیؓ مسجد امیر حمزہؓ واہ، جامعہ اشاعت القرآن للبنات لالہ رخ واہ، مدرسہ تعلیم القرآن بکوی باہتر مدرسہ تعلیم القرآن زیندی، مدرسہ تعلیم القرآن خگوانی کے اخراجات مولانا مرحوم ادا فرماتے۔ بحمد للہ یہ ادارے اب بھی جاری ہیں، مولانا مرحوم کی ایک خاص صفت اپنے تلامذہ کی سرپرستی تھی، تواضعاً اپنے شاگردوں کو تلمیذ یا شاگرد کی بجائے ''دسنگی''، یعنی ساتھی فرماتے، مجلس میں کسی کو احساس تک نہ ہوتا کہ یہ مولانا کے شاگرد ہیں، آپ کے مدرسہ میں سب اساتذہ بجز مولانا عبدالسلام صاحب کے سب آپ کے تلامذہ تھے مرحوم نے ان کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ وہ صرف تدریس ہی میں نہیں بلکہ تقریر و تحریر جہاد، مناظرہ اور خطابت میں بہترین خدمات انجام دینے والے ثابت ہوئے۔ ان میں قاری چمن محمد صاحب، جو ایک کامیاب استاد حدیث و منقولات و معقولات ہیں اور فن مناظرہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل ہے، اہل بدعت غیر مقلدین اور شیعہ سے بارہا مناظرے کر چکے ہیں اپنی علمی وجاہت سے احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں، مولانا عبدالخالق صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ انوار القرآن نرٹوپہ نے تھوڑے عرصہ میں اپنی خطابت اور انتظامی قابلیت کا لوہا منوایا۔ مولانا محمد جان صاحب، مہتمم مدرسہ اسلامیہ قطبہ نے جہاد افغانستان میں قربانیوں سے اپنی عزیمت و استقامت کا بے مثال مظاہرہ کیا، علاوہ ازیں مولانا فضلداد صاحب، مولانا نور محمد صاحب، مولانا محمد نعیم، حافظ غلام مرتضیٰ، مولانا یعقوب خان، قاری اظہار الحق وغیرہ حضرات کے اسماء گرامی

قابل ذکر ہیں۔ طلبہ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ عشاء کے بعد ابتدائی درجات کے طلبہ کو صرف ونحو کے اسباق زبانی یاد کراتے ہمیشہ آپ کی کوشش ہوتی کہ مختلف مساجد و مدارس میں اپنے تلامذہ کو دینی خدمات کے لئے تقرر فرماتے' پھران کو قیمتی مشوروں اور علمی سرپرستی سے نوازتے۔

راقم الحروف نے راولپنڈی کی مصروفیات اور علاقہ چھچھ سے مذہبی سیاسی اور علاقائی تعلق کے بناء پر ہفتہ میں بدھ و جمعرات چھچھ میں رہنے کا اہتمام کر رکھا تھا' وہاں جانے کے اہم مقاصد میں مولانا مرحوم اور مولانا عبدالسلام صاحب کی مصاحبت ہوتی۔ معمول تھا کہ بدھ کی صبح مرحوم کے حکم پر مولانا عبدالسلام صاحب ٹیلیفون سے یاد دہانی فرماتے۔ بیماری کے دوران بھی مرحوم بدھ کے دن میرے منتظر رہتے۔ یہ مرحوم کی محبت تھی۔ اس دن آپ نے کسی اور جگہ پروگرام رکھنے سے منع کیا ہوا تھا۔

اس دن ہمارا اجتماعی پروگرام کسی نہ کسی جگہ ترتیب دیا جاتا۔ آپ سے اس تعلق و محبت میں روز بروز اضافہ ہوتا' ان مجالس میں مرحوم کی محبت قابل دیدنی ہوتی۔

آپ کی ساری زندگی زہد' قناعت اور سادگی کی تصویر تھی' جب تک آپ کی صحت درست تھی' آپ واہ فیکٹری سے گڑھی افغانان تک عموماً سائیکل پر سواری فرماتے۔ علمی شان کے باوجود اس سادگی میں کوئی جھجک محسوس نہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سخاوت سے بھی نوازا تھا' غریبوں سے حسن سلوک اور ان سے خفیہ تعاون آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی' مہمان نوازی میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر گامزن تھے۔

آپ علماء میں جوڑ اور باہمی عزت و تکریم کے قائل تھے۔ علاقہ چھچھ میں سب علماء سے آپ کا تعلق تھا اجتماعی مسائل میں علماء آپ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر کوئی توڑ کی بات کرتا یا علماء میں مخالفت کی کوشش کرتا تو صرف کنارہ کشی ہی نہیں سختی سے منع فرماتے۔

احقاق حق کا جذبہ آپ کو اپنے اساتذہ سے وراثت میں ملا تھا۔ اس لئے جمہور علماء کے خلاف قول و فعل آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوتا۔ ایک بزرگ عالم سے جمہور علماء کے قول کے خلاف موقف اختیار کرنے پر مخالفت ہوئی۔ عدالت تک نوبت پہنچی مگر اس میں بھی باہمی احترام کا پہلو مدنظر رہتا' علماء کے اختلاف کو محدود رکھتے۔ عوام تک نہ پہونچاتے کہ اہل حق کا یہی شیوہ ہے۔

فن مناظرہ سے بھی آپ کو خاص مناسبت تھی' بڑے بڑے مشاہیر آپ سے علمی گفتگو اور مناظرہ سے احتراز کرتے' ان کی کوشش ہوتی کہ مرحوم سے آمنا سامنا نہ ہو۔ علمی شان اپنی جگہ' فتاویٰ میں بھی آپ کو خاص تجربہ تھا' اہم نوازل اور مسائل اپنی علمی ثقاہت سے بغیر مطالعہ کے حل فرماتے۔

دینی خدمت کے پیش نظر اپنے اکابر کی طرح عوام سے بھی رابطہ رہتا۔ عصر کے بعد عام لوگ آپ سے تعویذ

کے لئے آتے۔ آپ بڑی خندہ پیشانی سے تعویذ دیتے۔

سفر ہو حضر اپنے معمولات میں دوام اور پابندی آپ کی خاص طبیعت تھی' نوافل و اوراد آپ کے معمولات میں شامل تھے۔ آپ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت حافظ محدث مولانا عبداللہ درخواستیؒ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتی سے بیعت تھے۔

مولانا مرحوم اس دور کے ان علماء راسخین میں سے تھے جن کی دقت نظر دادِ تحقیق اور حسن ذوق کا علم بہت کم لوگوں کو ہوا۔ افسوس کہ ان کے علمی کمال کا کوئی حصہ بھی سینہ سے سفینہ میں منتقل نہیں ہوا۔ درحقیقت ان کے تلامذہ ہی ان کی علمی وراثت کے امین ہیں۔

آپ اور مولانا عبدالسلام صاحب کا جو تعلق ساری زندگی رہا۔ باہمی اخوت و محبت' اعتماد اور اخلاص کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے' طالب علمی کے دور سے لے کر ''جامعہ اشاعت القرآن'' کی تشکیل تک' ابتدائی تعلیم سے دمِ حدیث و فقہ تک دونوں یک جان و دو قالب کی طرح دین کا کام کرتے رہے۔

ترمذی اور تہذیب الکمال میں ابن ابی ملیکہ سے منقول کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا مکہ معظمہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ''حبشی'' ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں انتقال ہوا اور مکہ میں تدفین ہوئی تو حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کی قبر پر حاضر ہو کر یہ دو شعر پڑھے:

وکنا کندمانی جذیمة حقبة ..... من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

''ہم ایک طویل عرصہ تک جذیمہ کے دو مصاحب کی طرح تھے (کہ کبھی جدا نہ ہوتے تھے) یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔''

فلما تفرقیا کانی ومالکا ..... لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

''پھر جب ہم ایک طویل عرصہ ساتھ رہنے کے بعد جدا ہو گئے تو ایسے ہو گئے گویا کہ میں نے اور مالک نے ایک رات بھی کبھی ساتھ نہیں گزاری۔'' (ج ۱۱۔ص ۱۲۴)

جذیمہ عراق کے ایک بادشاہ کا نام ہے۔ مالک اور عقیل جو ایک طویل عرصہ تک اس کے ساتھ رہے۔ دونوں ہمیشہ اکٹھے اور ساتھ رہتے تھے۔ یہاں تک سچی دوستی اور طول رفاقت میں ضرب المثل بن گئی۔ حقبہ طویل زمانہ کو کہتے ہیں۔ یہ دونوں شعر متمم بن نویرہ یربوعی کے ہیں جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہے ہیں۔ جو واقعہ ردت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ایک لشکری حضرت ضرار بن الازورؓ کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ متمم کو اپنے بھائی مالک سے شدید محبت تھی' اس نے متعدد قصائد مرثیہ کے طور پر مالک کے بارے میں کہے۔ ادب میں اس کے مراثی کو بڑا مقام حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ انکے مراثی کو پسند فرماتے تھے اور بلا کر سنا کرتے تھے۔ مالک بن نویرہ کے بارے میں کہا

جاتا ہے کہ وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیے گئے (اسد الغابة ۔ ج ۲، ص ۹۵۔ والکامل لابن الاثیر ج ۲، ص ۳۵۳)

مولانا مرحوم سیاست میں جمعیت علماء اسلام کے ساتھ تھے عملی طور پر بھی اس میں حصہ لیتے تھے، راقم الحروف جب علاقہ چھچھ سے الیکشن لڑتا رہا، مرحوم درس و تدریس کی مصروفیات کے باوجود شب و روز محنت فرماتے، گاہے گاہے رات بارہ ایک بجے انتخابی مہم سے واپسی ہوتی اور مہم میں شریک حضرات کے لئے رات دیر تک حضرت مرحوم کی طرف سے ''اکرام'' کا انتظام فرماتے انتخابی مہم میں ''جامعہ اشاعت القرآن'' مرکز کا کردار ادا کرتا۔ میرے بیرون ملک دورہ کے موقع پر مولانا محمود الحسن صاحب توحیدی ۱۹۹۷ء میں جب علماء کی نمائندہ بن کر الیکشن میں حصہ لے رہے تھے۔ اس وقت بھی مولانا مرحوم اسی جذبہ سے حصہ لیتے رہے۔ مولانا مرحوم اس بات پر زور دیتے کہ علماء کا عملی سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے، اور اس میدان کو خالی چھوڑنا دین اور اہل دین کے لئے نقصان دہ ہے۔ صوبہ سرحد و بلوچستان کے علماء کی مثال دیتے کہ مالی وسائل نہ ہونے کے باوجود بڑے بڑے جاگیرداروں سرداروں اور نوابوں سے سیاسی طور پر کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ (آج اسی جدوجہد اور محنت کا نتیجہ ہے کہ ان دونوں صوبوں میں متحدہ مجلس عمل کو ایک موثر قوت حاصل ہے اور جمعیت علماء اسلام نے ایک مقتدر جماعت کی حیثیت سے اپنی قوت منوائی ہے) مولانا مرحوم فرماتے کہ چھچھ کے علماء کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عزت و افتخار اور علمی وجاہت سے نوازا ہے، اگر یہ ذرہ محنت کریں تو یہ سرزمین دینی سیاست کے لئے انتہائی موزوں ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہمارے اکابر نے تقسیم ملک سے قبل یہاں سیاست میں حصہ لیا ہے پاکستان بننے سے قبل انتخابات میں بوھی گاڑ کے حضرت مولانا حکیم عبدالحئی صاحبؒ نے حصہ لیا تھا اور چھچھ بھی اس علاقہ میں شامل تھا انگریز کا دور تھا اور اس کے مقرر کردہ نمائندوں کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ مگر سیاسی میدان خالی نہ چھوڑا گیا سرکاری امیدوار نے بڑی پیشکش کی۔ حکیم صاحبؒ کا جواب تھا کہ مجھے اگر ایک ووٹ بھی نہیں ملے میں حصہ لوں گا، تقسیم ملک کے بعد شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتی شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان صاحب، تاجک مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمان صاحب ویسہ، مولانا فضل الرحمٰن صاحب بہبودی۔ مولانا سکندر خانؒ برہ زئی۔ حافظ محمد زمرد خانؒ (سلیم خان) مولانا ظہور الحق صاحب مدظلہ داماں۔ مولانا عبدالرؤف بہبودی۔ حافظ محمد بشیر غورغشتی، مولانا اظہار الحق جلالیہ۔ مولانا محمد ابراہیم غورغشتی، حافظ غلام سرور غورغشتی۔ مولانا عبدالرؤف ربانی بہبودی، مولانا محمد ایوبؒ مولانا غلام یحییٰ نرتوپہ۔ قاری محمد الیاس تاجک، مولانا غلام حبیب ویسہ۔ مولانا رشید احمد مولانا فضل واحد، مولانا سیف الرحمان حیدری، قاری محمد ریاض ملک، حافظ عبدالرحمان کاملپور، حاجی عبدالعزیز برہ زئی۔ حافظ محمد ادریس مومن پور۔ قاری شیر افضل خان کی خدمات

یادگار ہیں ان حضرات نے اپنے اپنے دور میں علاقہ کے سرمایہ داروں جاگیرداروں اور انگریز کی باقیات' اور خوانین سے مقابلہ کرتے رہے۔ اور بغیر خوف لومۃ لائم اسلامی سیاست میں مسلسل گامزن رہے۔ علماء کی بھرپور سیاست کا دور ۱۹۷۰ء سے لے کر ۲۰۰۳' تک محیط رہا ہے۔ مولانا مرحوم کی اسلامی سیاست سے دلچسپی اور متحرک کردار سے صرف علماء ہی نہیں چھچھ کے عوام بھی بخوبی واقف ہیں۔ آپ سیاست میں علماء کے توڑ اور باہمی مخالفت کے سخت خلاف تھے۔ فرماتے کہ چھچھ میں علماء نے ہمیشہ بغیر کسی سیاسی تفریق کے سیاست میں حصہ لیا ہے۔ اور اسی جذبہ کو برقرار رکھنا ہے کہ اسی میں علماء کی کامیابی ہے۔ جو علماء کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتا۔ مرحوم اس کی حوصلہ شکنی فرماتے۔ مولانا کی حیات تک کسی قسم کی تفریق نہ تھی اور انشاء اللہ آئندہ بھی علماء چھچھ اس فضا کو قائم رکھیں گے۔ مولانا مرحوم کا مولانا سمیع الحق سے خاص تعلق تھا۔ ان کے بروقت سیاسی گرفت کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے۔ ختم بخاری شریف کی تقریب میں مولانا کو ضرور دعوت دیتے۔ اور مولانا بھی باوجود مشغولیت کے اس میں شرکت فرماتے۔

مولانا مرحوم کے بڑے دو صاحبزادگان مولانا محمد رضوان اور مولانا ضیاء الحق عالم باعمل اور کامیاب مدرس وخطیب ہیں اور اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے والد صاحبؒ کا صحیح جانشین بنائے۔ اور ان کے برکات سے ان سب کو مالا مال فرمائے۔

مولانا مرحوم علاج معالجہ میں بڑے وسیع القلب تھے جو بھی کوئی دوائی دیتا۔ مرحوم اس کا استعمال شروع فرما دیتے۔ متعلقین اپنا اخلاص ظاہر کرتے۔ مولانا ان کی دلجوئی کرتے ہوئے نہ صرف قبول کرتے بلکہ استعمال شروع کر دیتے۔ آپ کی جیبیں مختلف دوائیوں سے بھری رہتیں۔ ڈاکٹروں میں حضرو کے ڈاکٹر محمد اشرف بٹ صاحب نے بڑے اخلاص سے علاج کیا' یہ علماء سے عقیدت کا ثمرہ تھا' موصوف کے ہسپتال ہی میں انتقال ہوا۔

بتاریخ ۳۰ مارچ ۲۰۰۱ء آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ راولپنڈی واہ فیکٹری اٹک اور حضرو کے مختلف ہسپتالوں میں علاج ہوتا رہا۔ بالآخر بتاریخ ۱۰ شعبان ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات نماز صبح کے وقت ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۲ کو حضرت مرحوم کا وصال ہوا اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی۔ دعا ہے کہ اس پیکر صدق وصفا' سراپائے وقار وتمکنت' مجسمہ ورع و تقویٰ' مخزن علم وعمل جامع کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابر رحمت کے فیض قدس سے ہمیشہ سرشار وشاداب رہے اور ان کی قبر مبارک آفتاب کرم کی ضوفشانیوں سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہی۔ آبائی گاؤں گڑھی افغان میں تدفین عمل میں آئی۔ علماء صلحاء وطلباء اور دیندار حضرات کا جنازہ میں عظیم اجتماع تھا۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ' ووسع مدخلہ' وارزقہ داراً خیراً من دارہ وجاراً خیراً من جارہ آمین یا رب العالمین